حزب التحریر کی طرف سے

کرنل قذافی کے نام اعلامیہ

یہ اعلامیہ حزب التحریر کی طرف سے کرنل قذافی کو اس ملاقات میں پیش کیا گیا

جو حزب التحریر کے وفد اور کرنل قذافی کے درمیان ہوئی اور چار گھنٹے تک جاری رہی

7شوال،1398ھ

بمطابق9ستمبر،1978ء

(عربی سے ترجمہ)

(1442ھ بمطابق2021ء)

فہرست

ابتدائی کلمات 4

اول: سنت کی تعریف 8

دوم: سنت کی قانونی حیثیت: 9

سوم: ایسے شخص کے متعلق حکم جو سنتِ رسول ﷺ کی شرعی حیثیت کو مسترد کرتا ہے اور سنت کو اپنانے سے انکاری ہے 15

چہارم: قرآن مجید کے حوالے سے سنت کا مقام 16

ا) قرآن مجید کے مجمل کی تفصیل: 16

ب) قرآنِ مجید کے عمومی متن کی تخصیص 17

ج) قرآنِ مجید کے مطلق متن کی حد بندی (تقیید) 18

د) قرآنِ مجید میں وارد ہونے والے اصل حکم کی فروع (ذیلی شاخوں) کے ساتھ مزید فروعات کا الحاق 19

ہ) سنت نے کچھ نئے قوانین بھی بیان کئے جن کی اصل قرآنِ مجید میں موجود نہیں ہے 19

پنجم: دلیل کے طور پر سنت کا استعمال 20

ششم: سنت کی تالیف کا مسئلہ 22

ہفتم: احادیث کے مابین ظاہری اختلاف 24

ہشتم: سنت کی اہمیت 26

نہم: سنت کو ترک کرنے کے نتائج 28

دہم: اسلام اور سیاست 30

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

کرنل قذافی!

اسلام وعلیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

امابعد!

حزب التحریر ایک سیاسی جماعت ہے جس کا نظریہ اسلام ہے۔ یہ اسلامی طرزِ زندگی کے احیاء اور اسلامی ریاست کے قیام کے بعد جہاد کے ذریعے اسلام کی دعوت کو دنیا تک لے جانے کے لیے کام کر رہی ہے۔ یہ سیاسی اعمال کو طریقہ کار کے طور پر اختیار کرتی ہے، چونکہ حکمرانوں کا محاسبہ کرنا ایک سیاسی نوعیت کا کام ہے تو حزب التحریر یہ عمل سرانجام دیتی ہے۔

ہم نے آپ کے اس خطاب کو مسترد کرتے ہوئے ایک کتابچہ شائع کرنے کا ارادہ کیا، جو آپ نے گزشتہ جولائی میں طرابلس کی جامع مسجد "مولاي محمد" میں قرآن مجید کے 100 ویں ختم شریف کے موقع پر کیا تھا۔ اس موقع پر آپ نے اعلان کیا کہ رسولِ اکرم ﷺ کی قولی احادیث مشکوک صداقت کی حامل ہیں اور ایسا اس لئے ہے کیونکہ یہ آپؐ کی رحلت کے 200 سال بعد مرتّب کی گئی تھیں۔ آپ نے یہ بھی ذکر کیا کہ اس دور میں مسلمانوں میں اختلافات پُھوٹ پڑے تھے اور اس دوران اَن گنت جھوٹی اور من گھڑت احادیث رسول اللہ ﷺ سے منسوب کر دی گئی تھیں۔ آپ نے کہا کہ حالات کے اس حد تک بگڑ جانے کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اختلافات میں الجھے، مسلمانوں کے ہر سیاسی گروہ، نے اپنا موقف صحیح ثابت کرنے کے لئے احادیث کا سہارا لیا۔ اس طرح ہمیں احادیث کی متضاد اور باہم اختلاف کرتی ساٹھ اقسام ملتی ہیں۔ آپ نے احادیث میں تضاد کی ایک مثال علی بن ابی طالبؓ کے حوالے سے یوں دی کہ انہیں جنت کی بشارت دی گئی حالانکہ وہ اس حدیث کے معنی کے زمرے میں بھی آتے ہیں: **((إذا التقى المسلمان بسيفيهما فالقاتل والمقتول في النار))** "جب دو مسلمان تلوار سے آپس میں

جھگڑ پڑیں، تو قاتل اور مقتول، دونوں جہنمی ہیں"، یوں یہاں ایک اختلاف ہے۔ علیؓ نے ایک مسلمان کی طرف اپنی تلوار اٹھائی تو کیسے ایک حدیث تو یہ کہتی ہے کہ وہ جنت میں جائیں گے جبکہ دوسری حدیث کے مطابق وہ جہنمی ہیں(معاذ اللہ)۔ آپ نے حدیث میں اختلاف کی ایک اور مثال اماں عائشہؓ کے حوالے سے یوں دی: ((**عائشه ناقصة عقل ودين**)) "عائشہؓ عقل ودین میں ناقص ہیں" جبکہ ایک دوسری حدیث یہ کہتی ہے: ((**خذوا نصف دينكم من فم عائشه**)) "اپنا آدھا دین تم عائشہؓ کی زبانی لو" . یہ ایک واضح تضاد ہے اور اس طرح آپ نے یہ نتیجہ نکالا کہ احادیث کو ماخذ بنانا ٹھیک نہیں کیونکہ آپ کی دلیل کے مطابق یہ بھی یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ آیا یہ احادیث مستند بھی ہیں یا نہیں۔ اسی بنا پر آپ نے یہ اعلان کر ڈالا کہ سنت نہیں اپنائی جا سکتی اور یہ بھی کہ سنت کو اپنانا جائز نہیں کیونکہ مسلمان اس معاملے میں آپس میں متفق نہیں۔ اور اس لئے آپ نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ہمیں اپنے آپ کو صرف قرآن مجید تک محدود رکھنا چاہئے کیونکہ یہی ایک ایسی چیز ہے جس پر مسلمان متفق ہیں۔

ہم یہ بات دوبارہ دہراتے ہیں کہ حزب کا ارادہ ایک کتابچہ شائع کرنے کا تھا اور یہ عمل حکمران کا محاسبہ کرنے کے فرض کے عین مطابق ہے کیونکہ یہ اسلام سے متصادم آپ کے نکتۂ نظر کے خطرات اور غلطیوں کو آشکار کرتا ہے اور یہ بالکل واضح اور تفصیلی دلائل پر مشتمل بیان ہے۔ احادیث سے انکار کا نظریہ کبھی بھی کسی نے نہیں پیش کیا ماسوائے اسلام کے دشمنوں کے، وہ جو اسلام میں شکوک وشبہات ڈالنے کے لئے کوشاں ہیں اور اس کو ختم یا مسخ کرنے کے لئے تنقید اور ہتھکنڈے استعمال کرتے رہتے ہیں۔ تاہم حزب نے کتابچے کی اشاعت میں تاخیر کو ترجیح دیتے ہوئے، پہلے آپ سے بالمشافہ رابطے کا فیصلہ کیا تا آنکہ تصدیق ہو سکے کہ آپ سے کیا کیا باتیں منسوب ہیں۔ ارادہ یہ بھی تھا کہ اس معاملے پر آپ سے بات چیت کی جا سکے اور یہ ملاقات ومباحثہ، حزب کے اختیار کئے گئے سیاسی اسلوب کی بنا پر ہی ہے۔ اسلام جس محاسبے کو فرض قرار دیتا ہے وہ صرف ایک فقہی یا دانشورانہ طرز کا بحث ومباحثہ نہیں ہے جو اگرچہ اسلام کے بتائے گئے بنیادی ضابطوں میں سے ہی ایک ہے، بلکہ یہ محاسبہ ایک سیاسی عمل ہے اور یہ بات چیت محض ایک طرح کی بحث اور وضاحت یا منظوری ونامنظوری کے لئے نہیں بلکہ یہ عمل درآمد کے نقطۂ نظر سے ہے، یہ امت کے امور کی دیکھ بھال میں سے ہی ایک عمل ہے جو حزب مسلمان ممالک میں انجام دے رہی ہے۔ لیبیا ایک مسلمان ملک ہے جو تمام مسلمانوں کا ہے نہ کہ صرف لیبیا میں بسنے والوں کا، بالکل اسی طرح جیسے مکہ، مدینہ، قاہرہ، عمان، بیت

المقدس، بغداد، شام اور دوسرے مسلمان ممالک تمام مسلمانوں کے ہیں اور صرف اپنے رہنے والوں کے نہیں ہیں۔ چناچہ ہم اسی نکتہ کے تحت لیبیا آئے ہیں کہ یہ ہمارا ملک ہے اور کیونکہ لیبیا ایک اسلامی سرزمین ہے اور ہم اسلام پر کاربند اور مسلمان ہیں۔ ہمارا یہاں آنا امت کے مسائل کے متعلق ہمارے نقطۂ نظر کی ہی وجہ سے ہے۔ اور ہمارے نکتۂ نظر کی اصل حقیقت یہ ہے کہ امتِ مسلمہ کا حقیقی مسئلہ اصل میں ماسلام ہے اور یہ اہم ترین معاملہ ہے جو کہ زندگی و موت کا معاملہ ہے، اسی لئے اسلام کے قیام کا مسئلہ ہی امت کا بنیادی مسئلہ ہے دیگر بے شمار مسائل جیسے اسلامی سرزمینوں کا یکجا ہونا، مسلم دنیا میں موجود ان مصنوعی وجودوں کا خاتمہ جو مغربی کافر ریاستوں نے مغربی مفادات کے نگہبان کے طور پر منظم کئے ہیں، مسئلہ فلسطین اور اسرائیل کی تباہی کے ذریعے اسکا حل؛ یہ اور اس جیسے تمام مسائل اسی حقیقی اور بنیادی مسئلہ کی شاخیں ہیں جو کہ اصل میں احیاء اسلام کا مسئلہ ہے اور یہ حقیقی اسلام زندگیوں میں کبھی واپس نہیں آ سکتا ماسوائے یہ کہ خلافت قائم کی جائے، ایک خلیفہ کا تقرر ہو جس کو امت کتاب اللہ اور سنتِ رسول کے مطابق اطاعت کی بیعت دے۔

خلافت کے قیام اور اسلام کے احکامات کے نفاذ کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی دنیا میں موجود تمام تر مصنوعی و جعلی ریاستیں اور وجود کو ختم کر کے خلافت میں ضم کیا جائے اور ایسا اس لئے ہونا چاہئے کہ اسلام مسلمانوں کو ایک سے زیادہ ریاستیں بنانے سے منع کرتا ہے جیسا کہ ان کے لیے ایک سے زیادہ خلیفہ کا ہونا بھی جائز نہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: **((اذا بويع لخليفتين فاقتلوا الآخر منهما))** "اگر دو خلفاء کو بیعت دے دی جائے تو بعد والے کو قتل کر دو" (مسلم)۔ رسولِ اکرم ﷺ نے یہ بھی فرمایا: **((من جاءكم وامركم جميع على رجل واحد يريد ان يشق جماعتكم فاشدخوا راسه بالسيف كائناً من كان))** "اگر کوئی تمھارے پاس آئے جبکہ تمہارے معاملات ایک امیر تلے متحد ہوں اور وہ آنے والا تمہارے درمیان رخنہ ڈالے تو تلوار سے اس کا سر قلم کر دو چاہے وہ کوئی بھی ہو" (مسلم)۔

اور یہی وہ وجہ تھی جس نے علی بن ابی طالبؓ کو معاویہؓ اور شام کے لوگوں سے لڑنے پر مجبور کیا کیونکہ وہ اس میں شامل نہیں ہوئے جس پر امت کے باقی لوگ متحد تھے اور یوں انہوں نے اسلامی ریاست کے اتحاد کو توڑنے کی کوشش کی۔

خلافت کے قیام کا مطلب اسرائیل کے خاتمہ کے ذریعے مسئلہ فلسطین کا حل ہے اور چونکہ اسلامی ریاست کی بنیاد ہی اسلامی عقیدہ ہے جو اسلام کا نفاذ کرتی ہے اور اسلام کے نفاذ کے بعد ریاست کا اصل کام جہاد ہے۔ اسلام ریاست پر فرض قرار دیتا ہے کہ وہ جہاد کا اعلان کرے، اسرائیل کے خاتمے کے ذریعے فلسطین کو آزاد کرائے اور صیہونیوں اور اسرئیلیوں کو فلسطین کے ہر کوچے سے نکال باہر کرے کیونکہ خلافت اس بات پر یقین رکھتی ہے کہ اسلام مسلمانوں پر فرض قرار دیتا ہے کہ وہ دشمن سے فلسطین کو آزاد کرائیں۔ اسی طرح امت کے بقیہ مسائل بھی اسی بنیادی مسئلے کے گرد ہی گھومتے ہیں جو کہ اصل میں اسلام کے قیام کا مسئلہ ہے جب یہ بنیادی مسئلہ حل ہو گا تبھی بقیہ مسائل بھی حل ہو سکیں گے۔

ہمارے اس نکتہ نظر، کہ اسلام کے ریاست کے طور پر قیام کا مسئلہ ہی امتِ مسلمہ کا بنیادی مسئلہ ہے، کی وجہ سے ہی ہم نے یہ ضروری سمجھا کہ آپ تک رسائی کی جائے اور پھر آخر یہ ملاقات طے پائی۔ کیونکہ آپ کے سنت سے انکار اور اعلانیہ بیان کہ آپ خود بھی سنت کی پیروی نہیں کرتے، اسلام پر اور مسلمانوں کے بنیادی مسئلہ پر ضرب لگانا ہے۔ سنتِ رسولؐ اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ایک ہے جس طرح قرآنِ مجید بنیاد ہے اسی طرح سنتِ رسولؐ بھی بنیاد ہے اور اسی لئے یہ ہمارے اور تمام مسلمانوں کے نزدیک ایک بنیادی مسئلہ ہے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں اور نہ ہی خلافت کے لئے کام کرنے والی ایسی سیاسی جماعت کے لئے قابل قبول ہے، خلافت جو کہ امریکہ اور روس سے طاقت کی باگ ڈور چھین لے گی اور اسی طرح دنیا کی اول درجہ کی ریاست بنے گی جیسا کہ وہ ہوا کرتی تھی۔ اس اہم معاملے کے لیے ہی یہ ضروری تھا کہ اس پر بات چیت کے لیے ہم آپ کی طرف ایک وفد بھیجیں۔

لیبیا کے سفارتخانے سے ایک طے کردہ مفاہمت کے تحت حزب التحریر نے آپ سے ملاقات کے لئے یہ وفد بھجوایا۔ حزب کے وفد اور آپ کے درمیان یہ ملاقات طرابلس میں رمضان المبارک کی ستائیسویں شب، لیلۃ القدر کو

ہوئی اور اگرچہ یہ ایک طویل ملاقات تھی جو کہ مسلسل چار گھنٹے جاری رہی تاہم حزب نے آپ کو یہ تحریری اعلامیہ بھیجنے کا فیصلہ کیا جو بالکل واضح اور مؤثر دلائل کے ساتھ وہ تفصیلات بیان کرتا ہے اور ساتھ ہی آپ کے کچھ ایسے نکات کی تردید بھی کرتا ہے جو دورانِ گفتگو زیرِ بحث آئے۔ ہم سنت کے موضوع سے اس کا آغاز کریں گے اور درج ذیل معاملات کی وضاحت کریں گے۔

اول: سنت کی تعریف

عربی زبان میں سنت کے معنی طریقہ یا راستہ کے ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: **((قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي الأَرْضِ))** "تم سے پہلی امتوں پر بھی بہت سے واقعات گزر چکے ہیں تو تم زمین میں چلو پھرو" (آل عمران: 137) سنن یعنی طرق۔ شاعر خالد الحزلی کہتا ہے،

فلا تجز عن من سنة انت سرتها و اول راجی سنة من یسیرها

"ایسے طریقے پر افسوس مت کرو جو تم اپنا چکے ہو، اس طریقہ (سنت) کو قبول کرنے والا پہلا شخص وہ ہے جس نے اسے اپنایا"

جبکہ شریعت میں سنت کی تعریف دو معانی میں ہے: سنت کے لفظ کا اطلاق ان امور پر کیا جاتا ہے جو فرائض کے مقابلے میں ہیں، ان معنوں میں لفظ سنت سے مراد رسولِ اکرم ﷺ سے اختیار کردہ مندوب اعمال ہیں جیسے کہ نماز کے نوافل۔

اسی طرح سنت کا لفظ، کتاب یعنی قرآنِ کریم کے مقابلے میں بھی بولا جاتا ہے، یہاں اس سے مراد ہے: (ما صدر من النبی ﷺ من قول او فعل او تقریر) "نبی اکرم ﷺ سے قول، فعل یا رضامندی کے طور پر جو صادر ہوا" اور یہی وہ معانی ہیں جو یہاں موضوعِ گفتگو ہیں۔ اور سنت بھی بنیاد اور قاعدہ (اصل) اور دلیل ہے جیسا کہ قرآنِ مجید بنیاد (اصل) اور دلیل ہے۔

دوم: سنت کی قانونی حیثیت:

متعدد ایسے دلائل موجود ہیں جو کہ سنت کو حجت قرار دیتے ہیں، یعنی یہ بنیاد اور شرعی دلیل ہے جس سے اخذ کرنا اسی طرح لازم ہے جیسا کہ قرآن سے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: **((وَمَا يَنْطِقُ عَنْ الْهَوَى o إِنْ هُوَ إِلاَّ وَحْيٌ يُوحَى))** **"اور وہ (آپ ﷺ) اپنی خواہشِ نفس سے کچھ نہیں بولتے ہیں۔ یہ (ان کا بولنا) تو سراسر وحی ہوتا ہے جو ان کی طرف کی جاتی ہے"** **(النجم: 3-4)**۔ اس کا معنی یہ ہے کہ رسول ﷺ نے دین کو پہنچانے کے لیے جو کچھ بھی بتلایا وہ ان کی اپنی مرضی یا خواہش نہیں بلکہ وہ سب وحی ہے، اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ کیونکہ آیتِ کریمہ میں لفظِ استثناء **"إلّا"** لفظ **"إن"** کے بعد لایا گیا ہے جو حد بندی (الحصر) کے معنی میں ہے۔ یعنی آپ ﷺ جو کچھ بھی بولتے ہیں وہ اللہ کی وحی تک ہی محدود ہے اس سے باہر نہیں ہے اور آپ ﷺ کا بولنا ان کی اپنی طرف سے یا ان کی خواہش و مرضی کی بنا پر نہیں ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: **((قُلْ إِنَّمَا أُنذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ))** **"(اے محمد ﷺ) کہہ دیجیے کہ میں تم کو صرف وحی (اللہ کے نازل کردہ) کے مطابق خبردار کرتا ہوں"** **(الانبیاء: 45)** پس، پیغمبر ﷺ تو صرف ایک خبردار کرنے والے اور خوشخبری دینے والے ہی ہیں۔ آیتِ کریمہ یہ حد بیان کرتی ہے کہ وہ (محمد ﷺ) تو صرف وحیِ الٰہی کے مطابق تنبیہ کرنے والے ہیں اور وہ اللہ کے وحی کے بغیر تنبیہ نہیں کرتے یعنی ان کا تنبیہ کردہ ان کے اپنی طرف سے نہیں ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: **((إِنْ يُوحَى إِلَيَّ إِلاَّ أَنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُبِينٌ))** **"میری طرف تو یہی وحی کی جاتی ہے مگر یہی کہ میں واضح طور پر ڈرانے والا ہوں"** (ص: 70) پس مفہوم یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ رسول اللہ ﷺ کو وحی کرتا ہے کہ آپ ڈرانے والے ہیں اور جو آپ پر نازل ہوتا ہے اسے وضاحت کے ساتھ بتانے والے

ہیں۔ جو قرآن نازل ہوا، رسول اللہ ﷺ کا اسے وضاحت کے ساتھ بیان کرنا، آپ ﷺ سے صادر ہونے والے قول و فعل کے ذریعے تھا۔

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ((**إِنْ أَتَّبِعُ إِلاَّ مَا يُوحَى إِلَيَّ**)) **"میں تو صرف اس کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی آتی ہے"** (الاحقاف:9)، یعنی میں جو کچھ بھی کرتا ہوں یہ صرف اس کے مطابق ہوتا ہے جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ مجھ پر وحی کرتے ہیں، تاکہ لوگ اس پر چلیں۔ یہ آیات اپنے ثبوت اور معنی کے لحاظ سے قطعی (قطعی الثبوت قطعی الدلالة) ہیں اور واضح کرتی ہیں اور اس بات کی حد بندی کرتی ہیں کہ پیغمبر ﷺ جو کچھ بھی لوگوں کے لئے لائے، جس چیز سے بھی خبر دار کیا، جس کی طرف بھی بلایا اور پیغام کو پہنچانے کے لیے جو کچھ بھی کلام کیا اور الفاظ ادا کیے وہ تمام تر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے وحی کردہ ہیں، اس کے سوا ان کا کچھ اور معنی یا مطلب نہیں۔

اس لئے یہ آیات اسی طرف نشاندہی کرتی ہیں کہ سنت، یعنی جو کچھ بھی رسولِ اکرم ﷺ نے کہا، عمل کیا یا جس پر رضامندی ظاہر کی، وہ تمام اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے ہے جیسا کہ قرآنِ مجید اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے ہے۔

یہ تو معلوم و معروف ہے کہ رسولِ اکرم سے بہت سے مسائل کے بارے میں سوال کیا گیا اور انہوں نے جواب دینے سے گریز کیا بلکہ وحی کا انتظار کیا اور جب وحی نازل ہو جاتی تو آپ ﷺ وہ سب کچھ بیان کر دیتے جو بھی نازل ہوتا تھا۔

جہاں تک اس شرعی دلیل تعلق ہے جو سنت کی پیروی کے فرض ہونے کی نشاندہی کرتی ہے یعنی پیغمبر ﷺ کے قول، فعل یا رضامندی کے فرض ہونے کی، تو قرآنِ پاک میں صاف صاف اور حتمی طور پر یہ بیان کر دیا گیا، جس کا کوئی اور مطلب نکالنے کی ہر گز کوئی گنجائش نہیں، کہ: ((**وَمَا آتَاكُمْ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا**)) **"اور جو کچھ بھی تمہیں پیغمبر دیں وہ لے لو اور جس سے بھی منع کریں اس سے باز رہو"** (**الحشر:7**)۔ چونکہ آیت میں لفظ "ما" (جو کچھ) عموم کا صیغہ ہے لہٰذا اس کا مطلب ہے جو پیغمبر ﷺ لائے ہیں اس

تمام کو لینا فرض ہے یعنی قرآن و سنت۔ اور جس سے بھی پیغمبر ﷺ نے منع کیا ان تمام امور سے رک جانا یعنی ترک کرنا فرض ہے، چاہے یہ منع کردہ قرآنِ پاک میں مذکور ہو یا سنتِ نبوی میں۔

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: **((مَنْ يُطِعْ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ))** **"اور جس نے رسول (محمد ﷺ) کی اطاعت کی تو بے شک اس نے اللہ کی اطاعت کی"** (النساء:80)۔ یہ آیت قرار دیتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرنا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت کرنا ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری واطاعت فرض ہے پس رسولِ ﷺ کی اطاعت بھی فرض ہے۔ پیغمبر ﷺ کی اطاعت اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ایک مسلمان اس تمام کی اتباع نہ کرے جو پیغمبر لائے ہیں، اس تمام کی اتباع نہ کرے جو رسول ﷺ سے قول یا فعل کی صورت میں صادر ہوا ہے یعنی جب تک وہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کی اتباع نہ کرے۔

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: **((فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ))** **"اور جو لوگ پیغمبر (محمد) کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں تو ان کو ڈرنا چاہئے کہ (ایسا نہ ہو) ان پر کوئی آفت یا دکھ دینے والا عذاب آ پڑے "** (النور:63)۔ یہ آیت ان کو خبردار کرتی ہے جو پیغمبر ﷺ کے امر کی نافرمانی کرتے ہیں یعنی جو کچھ محمد ﷺ لائے ہیں اس کی نافرمانی کرے، ورنہ وہ فتنہ یعنی ابتلاء و آزمائش میں پڑ جائیں گے یا انہیں شدید عذاب دیا جائے گا۔ یہ آیت رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی ممانعت کے بارے میں بالکل واضح ہے اور ان لوگوں کو خبردار کرتی ہے جو محمد ﷺ کے احکامات کے خلاف کرتے ہیں کہ انہیں سزا اور فتنہ و آزمائش پہنچے گی۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: **((وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلاَ مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمْ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ))** **"اور کسی مومن مرد اور نہ ہی کسی مومن عورت کو یہ حق ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول ﷺ کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں تو وہ اپنے معاملات میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں"** (الاحزاب:36)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ صحیح اور قابلِ قبول نہیں کہ ایک مومن مرد یا عورت، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کے علاوہ کسی اور کی پیروی کریں۔ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ قرآنِ مجید میں ہے جو اس نے

نازل کیا اور رسول ﷺ کا فیصلہ اس کے ذریعے ہے جو قرآنِ مجید میں ہے اور اس کے ذریعے ہے جو کچھ ان سے قول، فعل یا رضامندی کی صورت میں صادر ہوا یعنی آپ ﷺ کی سنت میں وارد ہوا۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ((**فَلاَ وَرَبِّكَ لاَ يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لاَ يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا**)) "**آپ کے رب کی قسم! یہ تب تک مومن نہ ہوں گے جب تک اپنے تنازعات میں آپ کو منصف نہ مان لیں اور جو فیصلہ آپ کر دیں اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں اور اسے خوشی سے تسلیم کر لیں**" (النساء: 65)۔ اس آیت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قسم کھائی اور فرمایا کہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ وہ اپنے تمام معاملات میں رسول ﷺ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں اور وہ اسوقت تک بھی سچے مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ وہ اپنے دل میں کسی تنگی کے بغیر پیغمبر ﷺ کے حکم کو تسلیم نہ کر لیں اور جب تک وہ ظاہری اور باطنی طور پر پیغمبر ﷺ کے صادر کردہ حکم کی پیروی نہ کریں۔ یہ صاف صاف نفی ہے کسی ایسے شخص کے ایمان کی جو پیغمبر ﷺ کی سنت کے حاکم ہونے کو قبول نہیں کرتا اور ساتھ ہی یہ کسی ایسے شخص کے ایمان کی بھی نفی ہے جو پیغمبر ﷺ سے صادر ہونے والے ہر ہر حکم کو بلا مشروط قبول اور تسلیم نہیں کرتا۔ دوسرے الفاظ میں، ایک مومن پر لازم ہے کہ وہ رسول ﷺ کے لائے ہوئے تمام احکامات پر کاربند ہو اور کسی بھی شک کے بغیر انہیں دل سے قبول کرے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ((**أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ**)) "**اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (محمد ﷺ) کی اطاعت کرو**" (النساء: 59)۔ یہ پیغمبر ﷺ کے ہر قول و فعل کی فرمانبرداری کرنے کے فرض ہونے کا بالکل واضح حکم ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ((**إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ**)) "**اے پیغمبر ﷺ! لوگوں سے کہہ دیجئے اگر تم واقعی اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ بھی تم سے محبت کرے گا**" (آلِ عمران: 31)۔ یہ آیتِ مبارکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے محبت کو پیغمبر ﷺ کے ہر قول و فعل کی پیروی سے جوڑتی ہے یعنی سنت کی اتباع سے اور اسے ماخذ بنانے سے۔

یہ تمام آیاتِ مبارکہ بالکل واضح ہیں کہ مسلمانوں پر پیغمبر ﷺ کی اتباع فرض ہے اس تمام میں جو آپ لے کر آئے ہیں اور یہ بھی بیان کرتی ہیں کہ پیغمبر ﷺ کی اطاعت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ہی اطاعت ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت فرض ہے اس لئے رسول ﷺ کی اطاعت بھی فرض ہے۔ یہ اسی فہم سے ہی ہے کہ پیغمبر ﷺ کی فرمانبرداری اصل میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی فرمانبرداری کا ہی حصہ ہے اور پیغمبر ﷺ کی نافرمانی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ہی نافرمانی ہے۔

لہٰذا درج بالا تمام آیات اس بات پر دلیل ہیں کہ سنتِ رسول ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کردہ ہے اور اس کی پیروی کرنا بالکل ویسے ہی فرض ہے جیسے قرآنی احکامات کی پیروی فرض ہے۔

یہ امر کہ سنت قرآن کی وضاحت کرتی ہے، اس کی تفسیر کرتی ہے اور اسے کھول کر بیان کرتی ہے اور سنت سے نئے احکامات بھی حاصل ہوتے ہیں، تو قرآن کی آیات اس پر دلالت کرتی ہیں۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ سنت قرآن کی وضاحت کرتی ہے، اس کی تفسیر کرتی ہے اور اسے کھول کر بیان کرتی ہے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **((وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ))** "اور ہم نے آپ (محمدؐ) پر یہ کتاب (نصیحت) نازل کی ہے تاکہ آپ لوگوں پر کھول کر بیان کر دیں جو ان پر نازل کیا گیا ہے" (النحل: 44)۔ اور اس بات کی دلیل کہ سنت سے نئے قوانین ملتے ہیں، اللہ سبحانہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: **((فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ))** "**اور اگر کسی معاملے میں تم میں اختلاف ہو تو اس معاملے کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف لوٹا دو**" (النساء: 59)۔ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کا مطلب قرآنِ کریم کی طرف رجوع کرنا ہے اور رسول اللہ کی طرف رجوع کا مطلب، ان کی حیاتِ مبارکہ میں ان کی طرف معاملے کو لے کر جانا اور ان کی رحلت کے بعد جو کچھ ان کے قول و فعل سے ملتا ہے یعنی کہ سنتِ مبارکہ کی طرف رجوع کرنا۔ اس آیت میں لفظ "تنازع" ایک مطلق لفظ ہے یعنی کوئی بھی تنازعہ، خواہ یہ قرآنِ پاک کے فہم میں تنازعہ ہو یا حکم کو اخذ کرنے میں تنازعہ ہو یا آپسی تنازعہ ہو۔ سنت کی رجوع کرنے کا حکم بھی مطلقاً آیا ہے یعنی مطلقاً سنتِ نبوی کی طرف رجوع، خواہ یہ سنت قولی ہو یا فعلی، یہ تفسیر و وضاحت سے متعلق ہو یا کسی نئی قانون کی حامل ہو۔

لہٰذا سنتِ مبارکہ، چاہے وہ قولی ہو یا فعلی، اپنی قبولیت کے فرض ہونے کے لحاظ سے، شرعی دلیل کے طور پر اختیار کرنے کے فرض ہونے کے لحاظ سے اور اس سے احکامات کو اخذ کرنے کے فرض ہونے کے اعتبار سے قرآن ہی کی طرح ہے۔ کتاب و سنت سے سختی سے چمٹے رہنا فرض ہے اور اس مستند حدیث میں اسی پر زور دیا گیا ہے۔ امام مالک اور حاکم نے روایت کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا؛ **((تركت فيكم ما إن تمسكتم به لن تضلواكتاب الله و سنتي))"میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، اگر تم انہیں مضبوطی سے پکڑو گے تو تم کبھی بھی گمراہ نہیں ہو گے، اللہ کی کتاب اور میری سنت"** (امام مالک، حاکم)۔

اسی لئے قرآن و سنت کو اکٹھے ہی لینا فرض ہے اور کسی مسلمان کے لئے ہر گز جائز نہیں کہ وہ اپنے آپ کو صرف قرآن مجید تک محدود رکھے اور سنت کو ترک کر دے۔ یہ کہنا بھی جائز نہیں کہ ہم سنت کو قرآن پر پیش کریں گے یا سنت کا قرآن سے موازنہ کریں گے، اور جو کچھ قرآن میں موجود ہو اس کو تو لے لیں گے اور جو بھی قرآن کے موافق نہ ہو اس کو قبول نہیں کریں گے۔ نہ ہی یہ کہنا کسی طور سے جائز ہے کہ ہم قرآن کو لیتے ہیں کیونکہ اس پر تو مسلمانوں میں کوئی اختلاف نہیں جبکہ ہم سنت کو اس لئے ترک کرتے ہیں کہ اس پر مسلمان متفق نہیں۔ یہ ہر گز جائز نہیں ہے کیونکہ یہ ترکِ سنت ہے اور اس سب کو ترک کرنا ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے ہمیں پابند کیا ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے ہمیں اس معاملے میں واضح طور پر ایک حدیث میں خبردار کیا ہے، گویا رسول ﷺ جب یہ حدیث ارشاد فرما رہے تھے تو غیبی علم کی بنا پر پہلے ہی دیکھ رہے تھے جو کرنل قزافی آپ سے صادر ہوا ہے، اور وہ جو موقف اس سے قبل دشمنانِ اسلام رکھتے رہے ہیں اور ان کا پرچار کرتے رہے ہیں، اور وہ جو اسلام کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا؛ **((يوشك رجل منكم متكئاً على أريكته يحدث بحديث عني، فيقول بيننا وبينكم كتاب الله فما وجدناه من حلال استحللناه وما وجدناه من حرام حرمناه ألا وان ما حرم رسول الله مثل الذي حرم الله))"تم میں سے ایک شخص اپنی آرام دہ مسند پر ٹیک لگائے ہو گا اور اس کے سامنے میری کوئی حدیث بیان کی جائے گی، تو وہ کہی گا کہ ہمارے اور تمہارے درمیان بس اللہ کی کتاب ہی ہے جو کچھ حلال ہم اس میں پائیں گے اسے ہم جائز کریں گے اور جو کچھ حرام ہو گا اس سے ہم منع کریں گے۔ سنو خبردار، بے شک اللہ کے رسول نے جو کچھ بھی منع کر دیا وہ بالکل ایسے ہی ہے جو اللہ نے منع کر دیا"** (ترمذی)

اور رسولِ اکرم ﷺ نے یہ بھی فرمایا؛ **((من بلغه عني حديث فكذب به فقد كذب الله ورسوله والذي حدثه))** "جس شخص تک میری حدیث پہنچی اور اس نے اسے جھٹلایا تو اس نے اللہ کو جھٹلایا اور اللہ کے رسول ؐ کو اور اس حدیث کو پہنچانے والے کو جھٹلایا" (مجمع الزوائد)۔

سوم: ایسے شخص کے متعلق حکم جو سنتِ رسول ﷺ کی شرعی حیثیت کو مسترد کرتا ہے اور سنت کو اپنانے سے انکاری ہے

درج بالا تمام آیاتِ مبارکہ جو ہم نے بیان کی ہیں، ثابت کرتی ہیں اور اس بات کی تاکید کرتی ہیں کہ سنت یعنی رسولِ اکرم ﷺ کے تمام اعمال اور اقوال اللہ سبحانہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کردہ ہیں۔ یہ آیات سنتِ رسول ﷺ پر عمل کرنے کو فرض قرار دیتی ہیں خواہ وہ قولی سنت ہو یا فعلی اور زندگی کے تمام معاملات میں سنتِ رسول ﷺ کی پابندی کرنے کی فرضیت بیان کرتی ہیں۔ یہ تمام آیات اپنے معانی اور ثبوت کے لحاظ سے قطعی ہیں۔

اس لئے رسول ﷺ کی سنت کی شرعی حیثیت کو مسترد کرنا، خواہ وہ قولی ہو یا فعلی یعنی اسے قرآن کی طرح شرعی دلیل ماننے سے انکار کرنا اور اس بات کو ماننے سے انکار کرنا کہ سنت اسلام کے اصولوں میں سے ہے جس سے عقائد اور احکام شریعہ اخذ ہوتے ہیں، کفرِ بواح (کھلا کفر) ہے۔

اپنے آپ کو صرف قرآن پر عمل تک محدود کرنا اور قولی و فعلی سنتِ مبارکہ میں جو کچھ وارد ہوا ہے، اس پر عمل سے انکار کرنا بھی واضح کفر (کفر بواح) ہے۔ یہ ان لوگوں کا نظریہ ہے جنہوں نے اسلام کا دامن چھوڑ دیا، اور یہ دشمنانِ اسلام کا نظریہ ہے جنہوں نے اسلام کو مسمار کرنے اور مٹانے کی کاوشیں کیں اور ابھی تک کر رہے ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کیونکہ یہ ان آیاتِ مبارکہ کا انکار کرنا ہے جو اپنے معنی اور ثبوت کے لحاظ سے قطعی ہیں اور پیغمبر ﷺ کی سنت کو ثابت کرتی ہیں۔ یہ ثابت کرتی ہیں کہ سنتِ رسول ﷺ، چاہے وہ قولی ہو یا فعلی، اللہ سبحانہ تعالیٰ

کی طرف سے وحی کردہ ہے اور یہ آیات سنتِ رسول ﷺ کی پیروی کا وہی مقام بیان کرتی ہیں جو قرآن کی پیروی کا ہے۔ یہ کتابِ الٰہی (قرآنِ مجید) کے ایک حصہ کا اقرار ہے جبکہ دوسرے حصہ کا انکار جبکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ((**اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ**)) "کیا تم کتاب کے کچھ حصے پر ایمان لاتے ہو اور کچھ حصے سے کفر اختیار کرتے ہو؟ پس تم میں سے جو ایسا کرے دنیاوی زندگی میں اس کی سزا رسوائی کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے؟ اور آخرت میں (ایسے لوگ) سخت ترین عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے "(البقرۃ:85)۔

چہارم: قرآن مجید کے حوالے سے سنت کا مقام

سنتِ مبارکہ کا قرآن مجید سے تعلق یہ ہے کہ سنت، قرآن پاک کی وضاحت کرتی ہے یعنی یہ قرآنِ مجید کے مجمل (ambivalent) کو تفصیل سے کھول کر بیان کرتی ہے، قرآن کے عموم(general) کی تخصیص(specify) کرتی ہے، مطلق(absolute) کی تقیید(restrict) کرتی ہے، فروع(branch) کو اصل سے جوڑتی ہے یا یہ ایسے شرعی حکم بیان کرتی ہے جن کے متعلق قرآن میں نص موجود نہیں ہے۔ ان کی مزید تفصیل ذیل میں ہے؛

ا) قرآن مجید کے مجمل کی تفصیل:

مجمل ایسا لفظ ہے جس کا مفہوم (دلالت) واضح نہیں کہ اس سے کیا مراد ہے۔ مثال کے طور پر نماز، زکوٰۃ اور حج کی فرضیت قرآنِ مجید میں مجمل صورت میں بیان کی گئی ہے جبکہ نماز اور حج ادا کرنے کا طریقہ بیان نہیں۔ اور یہ بھی بیان نہیں کہ زکوٰۃ کن چیزوں پر اور کتنی مقدار میں فرض ہے۔ پس سنت سے ہی یہ تفصیلات ملتی ہیں کہ نماز کس طرح سے پڑھنی ہے، رکعتوں کی تعداد کیا ہے، اوقاتِ نماز کیا ہیں وغیرہ۔ سنت نے ہی مناسکِ حج تفصیل سے بیان کئے اور یہ

وضاحت بھی کی کہ کن اشیاء پر زکوٰۃ فرض ہے اور کم از کم نصاب کتنا ہے۔ سنت سے ہی یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ پیغمبر ﷺ نے دس اشیاء کے علاوہ میں زکوٰۃ کو لاگو نہیں کیا، یعنی گندم، جَو، کھجوریں، کشمش، مکئی، اونٹ، گائے، بھیڑ، سونا اور چاندی۔ قرآنِ مجید میں جہاد کا ذکر بھی مجمل طور پر ہے اور پھر سنت ہی وضاحت کرتی ہے کہ جہاد کیسے کیا جائے، جہاد سے قبل کیا ہے اور اس کے بعد کیا ہے اور خارجی تعلقات کے لحاظ سے اس پر مزید کیا ترتیب پاتا ہے۔

ب) قرآنِ مجید کے عمومی متن کی تخصیص

لفظِ عام ایسا لفظ ہے کہ اور اس کا اطلاق ہر اس شے پر ہوتا ہے جو اس میں شامل ہے جیسا کہ المُسلِمُون (مسلمان)، اَولَادُکُم (تمہاری اولادیں) اور الرِجَال (مرد) وغیرہ۔ قرآن مجید میں ایسے عمومی الفاظ آئے ہیں اور سنت ایسے عام الفاظ کو مخصوص کرتی ہے۔ مثال کے طور پر، ((**يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ**)) "اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں تمہیں ہدایت فرماتا ہے، ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصے کے برابر ہے" (النساء: 11)۔ یہ آیت عمومی طور پر بیٹوں کو باپ سے وراثت ملنے کے بارے میں ہے یعنی ہر بیٹے کو اپنے باپ کی میراث میں سے حصہ ملے گا۔ جبکہ سنت نے اس عمومی متن کو مخصوص کیا اور انبیاء کو اس حکم سے مستثناء قرار دیا۔ جیسا کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا؛ ((**نحن معاشر الانبياء لا نورث ما تركناه صدقه**)) "**ہم انبیاء وراثت نہیں چھوڑتے، ہم جو کچھ پیچھے چھوڑیں وہ صدقہ ہے**" (متفق علیہ)۔ اس لئے انبیاء کی اولادوں کو ان کی طرف سے میراث نہیں ملتی۔ سنت نے ہی ورثا کو مخصوص کیا کہ یہ ان سے علاوہ ہیں کہ جو اپنے والدوں کو قتل کر دیں۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا؛ ((**لا يرث القاتل**)) "**قاتل وارث نہیں ہوتا**" (ترمذی، ابن ماجہ)، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے کسی ایسے بیٹے کو وراثت دینے سے منع کر دیا جس نے اپنے والد کو قتل کیا ہو۔

قرآنِ مجید میں ذکر ہے؛ ((**اَلزَّانِيَةُ وَ الزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ**)) "**زناکار عورت اور زناکار مرد میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو**" (النور: 2)۔ یہ عمومی بیان ہے اور ہر زنا کرنے والا اس میں شامل ہے چاہے وہ شادی شدہ ہو یا نہ ہو۔ اور پھر یہ سنت ہی ہے جو اس حکم کو کنوارے کے لئے

مخصوص کرتی ہے اور شادی شدہ لوگ جو زنا کے مرتکب ہوں کو سنگسار کرنے کا حکم دیتی ہے؛ جیسا کہ ((زنی ماعز فرجم))"ماعز نے زنا کا ارتکاب کیا تو اسے سنگسار کر دیا گیا"۔

قرآنِ مجید میں ذکر ہے؛((**فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ**))"**مشرکین کو تم جہاں پاؤ قتل کرو**"(التوبۃ:5)۔یہ ہر مشرک کے حوالے سے ایک عمومی بیان ہے چاہے وہ اہلِ کتاب ہو، عرب کے مشرکین میں سے ہو یا کوئی اور۔ پھر جو آپ ﷺ نے حجر کے مجوسیوں کے متعلق بتایا، اس کے ذریعے سنت نے اس آیت کو خاص کر دیا، رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا؛ **((سنوابهم سنة أهل الكتاب غير آكلى ذبائحهم ولا ناكحى نسائهم))"ان سے اہلِ کتاب جیسا سلوک کرو مگر ان کا ذبح کیا ہوا (گوشت) نہ کھاؤ اور نہ ہی ان کی عورتوں سے نکاح کرو"**(موطا، مسند شافعی و فی الام، مصنف ابن ابی شیبہ)۔

ج)قرآنِ مجید کے مطلق متن کی حد بندی (تقیید)

مطلق ایسا لفظ ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرتا ہے جو اپنی جنس میں پھیلا ہوا ہوتا ہے۔ جیسا کہ لفظ "**رَقَبَة**"(جس کے لفظی معنی "گردن" کے ہیں اور یہ غلام کے لیے استعمال ہوتا ہے) کا اطلاق تمام غلاموں پر ہوتا ہے چاہے وہ مومنین ہیں یا کفار اور اسی طرح لفظ "دینار" کا اطلاق عراقی، کویتی یا لیبیائی ہر قسم کے دینار پر ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں ہمیں ایسی آیات ملتی ہیں جو مطلق ہیں جبکہ سنت ان کی مخصوص حدود بیان کرتی ہے۔ مثال کے طور پر، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:((**السَّارِقُ وَ السارِقَة فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا**))"چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو"(المائدۃ:38)۔ یہ ہر قسم کی چوری کے حوالے سے مطلق ہے۔ اور یہ سنت ہی ہے جس نے وہ کم از کم مقدار مقرر کی جس پر یا اس سے زیادہ کی چوری پر کسی کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور وہ مقدار ایک سونے کے دینار کا چوتھائی حصہ ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا؛ ((**القطع فى ربع دينار فصاعدا**))"**ہاتھ کاٹنا، ایک دینار کے چوتھائی یا اس سے زیادہ پر ہے**"(متفق علیہ)۔ مزید یہ کہ سنت ہی مقرر کرتی ہے کہ ہاتھ کا کاٹنا کلائی سے ہے، کسی اور جگہ سے نہیں۔

د)قرآنِ مجید میں وارد ہونے والے اصل حکم کی فروع (ذیلی شاخوں) کے ساتھ مزید فروعات کا الحاق

قرآن مجید میں دو بہنوں کے ساتھ ایک ہی وقت میں شادی کرنے کی ممانعت بیان کی گئی ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: **((وَأَن تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ))** "اور دو بہنوں کو اکٹھا (نکاح میں) رکھنا حرام ہے مگر جو پہلے ہو چکا سو ہو چکا" (النساء: 23)۔ تاہم قرآن ایک ہی وقت میں ایک عورت کے ساتھ اس کی خالہ یا پھوپھی کو نکاح میں رکھنے یا اس کی بھتیجی یا بھانجی کو اکٹھا نکاح میں رکھنے کی ممانعت بیان نہیں کرتا اور سنتِ رسول ﷺ نے ہی یہ تفصیلات بیان کی ہیں؛ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا؛ **((لا تنكح المرأة على عمتها ولا على خالتها ولا على ابنة أخيها ولا على ابنة أختها فإنكم إن فعلتم ذلك قطعتم أرحامكم))**" ایک عورت اور اس کی خالہ یا پھوپھی کو اکٹھے نکاح میں مت جمع کرو، نہ ہی اس کی بھانجی یا بھتیجی کو، اگر تم نے ایسا کیا تو تم نے رحم کا رشتہ کاٹ دیا" (متفق علیہ)۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید کے اصل حکم یعنی ایک ہی وقت میں دو بہنوں کی ایک ہی شخص سے شادی کی ممانعت میں اضافہ کرتے ہوئے مزید رشتوں کو اس حکم کے ساتھ جوڑ دیا۔ اسی طرح قرآن مجید رضاعی ماں اور رضاعی بہن سے نکاح کی ممانعت بیان کرتا ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: **((وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْۤ اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ))**"تمہاری وہ مائیں جو تمہیں دودھ پلا چکی ہوں اور تمہاری دودھ شریک بہنیں" (النساء: 23)، پھر یہ سنت ہی ہے جس نے اصل حکم کے ساتھ اضافہ کرتے ہوئے رضاعت کے دیگر رشتوں کو بھی نکاح کے لئے منع کر دیا جیسا کہ رضاعی پھوپھی، رضاعی خالہ، رضاعی بھانجی اور بھتیجی؛ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا؛ **((ان الله حرم من الرضاع ما حرم من النسب))**"اللہ نے دودھ پلانے والی (ماں) کی وجہ سے رشتوں کو ایسے ہی حرام کیا ہے جیسے جنم دینے والی ماں کی وجہ سے" (مسلم، ترمذی)۔

ہ)سنت نے کچھ نئے قوانین بھی بیان کئے جن کی اصل قرآنِ مجید میں موجود نہیں ہے

جیسا کہ یہ طے کرنا کہ تیل، سونا، چاندی، تانبا، لوہا کی کانیں وغیرہ عوامی ذخائر ہیں؛ اسی طرح دریا، سمندر، چراگاہیں اور جنگلات عوامی ملکیت میں سے ہیں۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: **((الناس شركاء في ثلاث؛ الماء، والكلاء، والنار))** "لوگ تین چیزوں میں شراکت دار ہیں، پانی، چراگاہیں اور آگ۔" (احمد، ابوداؤد) اور

رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا؛ **((منٰی مناخ من سبق))** **"منٰی، خیمہ لگانے کی جگہ ہے، جو پہلے پہنچ گیا یہ اس کے لیے ہے"**(ابوداؤد، احمد)۔اور رسولِ اکرم ﷺ نے عبید بن حمال سے علاقہ واپس لے لیا جب انہیں پتہ لگا کہ وہ زمین بے شمار معدنیات کا ذخیرہ ہے۔

ایک اور مثال غیر شرعی ٹیکس لگانے کی ممانعت ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا؛ **((لا یدخل الجنة صاحب مکس))** **"ٹیکس لینے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا"**(احمد، دارمی)۔

اسی طرح مسلسل تین سال زمین کاشت نہ کرنے والے سے زرعی زمین ضبط کرنا بھی رسول اللہ ﷺ کے حکم کی بنا پر ہے جسے عمرؓ نے نافذ کیا، **((ولیس لمحتجر حق بعد ثلاث))** **"جو کوئی بھی زمین کو بنجر چھوڑ دے تو تین سال بعد اس پر اس کا کوئی حق نہیں"۔**

پنجم: دلیل کے طور پر سنت کا استعمال

شرعی عقائد اور احکام میں ثابت شدہ سنت کو دلیل کے طور پر اختیار کرنا ایک بالکل درست عمل ہے۔ عقیدہ اور احکام میں فرق یہ ہے کہ عقیدہ ایمان کا تقاضا کرتا ہے اور احکام، عمل اور نفاذ کا تقاضا کرتے ہیں۔ چونکہ عقیدہ ایک یقینی اعتقاد ہوتا ہے جو حقیقت سے مطابقت رکھتا ہے اور دلیل پر مبنی ہوتا ہے تو اس کا ثبوت بھی حتمی (تصدیقِ جازم سے) ہونا چاہئے۔ یہ اس وقت تک ممکن نہ ہوگا جب تک دلیل خود ہی حتمی نہ ہوتا کہ یہ ایک پختہ یقینی ثبوت ہو۔ چونکہ ظنّی دلیل حتمی و قطعی نہیں ہو سکتی اس لئے یہ عقیدہ کے لئے دلیل نہیں بن سکتی۔

اس لئے عقیدہ کے لئے سنت سے دلیل اخذ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ یہ قطعی احادیث سے ثابت ہو جو کہ متواتر احادیث ہیں، جو حفظ و ضبط والے تبع تابعین کے ایک گروہ نے حفظ و ضبط والے تابعین کے گروہ سے، اور انہوں نے حفظ و ضبط والے صحابہؓ کے گروہ سے اور صحابہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے سُنی ہیں، اس انداز سے کہ ہر گروہ اتنے افراد پر مشتمل ہے کہ جس کے جھوٹ پر جمع ہو جانے کے عدم امکان کا یقین حاصل ہو جاتا ہے۔

جہاں تک شرعی احکام کی بات ہے تو انہیں قطعی یا ظنی، دونوں طرح کے دلائل سے اخذ کیا جا سکتا ہے یعنی متواتر اور آحاد احادیث سے۔ اس حقیقت کے باوجود کہ آحاد احادیث میں شبہ معمولی ہے تاہم وہ قطعی نہیں ہوتیں۔ ان کو عبادات، معاملات اور عقوبات سے متعلق شرعی احکام کے لئے دلیل کے طور پر لینا جائز ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اجماعِ صحابہ اور قرآنِ کریم سے ثابت ہے کہ انہیں دلیل کے طور پر لیا جا سکتا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ((**وَاستَشهدوا شَهِيدَينِ مِن رِّجَالِكُم**)) " **پھر تم لوگ اپنے میں سے دو مردوں کو گواہ بنا لو** "(البقرۃ:282)۔ اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:((**وَّ اَشهدوا ذَوَىْ عَدْل مِنكُم**))"اور اپنے میں سے دو راست باز مردوں کو گواہ بناؤ"(الطلاق:2)۔ اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:((**فَاسْتَشهدواعَلَيهِنّ اَربعَة مِنكُم**))"ان پر اپنے (مسلمانوں) میں سے چار افراد کی گواہی لو"(النساء:15)۔ یہ آیات گواہی کے لیے گواہی کا نصاب دو مرد اور چار مرد مقرر کرتی ہیں۔ گواہی (شھادت) ایک خبر کو نقل کرنا ہے۔ دو یا چار گواہان حتمیت یا قطعیت فراہم نہیں کرتے بلکہ وہ غالب گمان (ظن) کا فائدہ دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اتنی بڑی تعداد نہیں کہ جس سے جھوٹ کے امکان کو ختم کیا جا سکے۔ اگرچہ ان کی گواہی غالب گمان کو ہی بیان کرتی ہے تاہم شریعت نے اسے قبول کیا ہے اور اسی لئے احد احادیث، جو غالب گمان کا فائدہ دیتی ہیں، کو دو یا چار مردوں کی گواہی پر قیاس کرتے ہوئے قبول کیا جائے گا کیونکہ اخبار احاد میں سچائی جھوٹ پر غالب ہوتی ہے، کیونکہ جب حدیث بیان کرنے والا راوی عادل، قابلِ اعتبار، حفظ وضبط والا ہو اور اس سے خود ملا ہو جس سے وہ حدیث روایت کر رہا ہے تو اس سے جھوٹ زائل ہو جاتا ہے اور اس خبر کا سچا ہونا غالب وراجح ہو جاتا ہے۔

قطعی دلائل سے یہ بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسلام کی دعوت دینے کے لئے مختلف بادشاہوں کی طرف نمائندے بھجوائے اور ہر بادشاہ کی طرف ایک ہی نمائندہ بھیجا۔ اگر ایک ہی شخص کے ذریعے اسلام کا پیغام پہنچانا واجبِ اتباع نہ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ دعوتِ اسلام پہنچانے کے لئے صرف ایک ہی شخص بھجوانے پر اکتفانہ کرتے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے عمل سے یہ ایک واضح دلیل ہے کہ دین کو پہنچانے کے سلسلے میں خبرِ واحد حجت و دلیل ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ دین کے احکامات کو پہنچانے کے لئے بھی ایک ہی شخص کو بھجوایا کرتے تھے جیسا کہ قبلہ کے بیت المقدّس سے کعبہ کی جانب تبدیل ہونے کے واقعے سے ظاہر ہے، پس آپ ﷺ نے ایک ہی شخص کو

یہ حکم بتانے کے لئے بھیجا اور جنہوں نے یہ پیغام سنا تو انہوں نے نماز بھی نہ توڑی اور دورانِ نماز ہی اپنی سمت بیت المقدس سے کعبہ کی جانب موڑ لی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ مسجد، مسجدِ قبلتین (دو قبلوں والی مسجد) کہلاتی ہے۔ اسی طرح جب شراب حرام ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو اس سے منع کرنے کے لئے ایک ہی شخص کو مسلمانوں کی طرف حکم پہنچانے کے لیے بھیجا اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ سب بہادیں جو کچھ باقی بچا ہے اور یہ سن کر صحابہؓ نے شراب کے مٹکے توڑ ڈالے۔

یہ اور رسول اللہ ﷺ کے عمل سے ثابت شدہ ایسی اور مثالیں اس بات کی دلیل ہیں کہ شرعی احکام کے معاملے میں خبر آحاد پر انحصار کرنا جائز ہے۔

ششم: سنت کی تالیف کا مسئلہ

صحابہ کرامؓ رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں ہی موجود رہتے تھے، انؐ کے اقوال کو سنتے، انؐ کے اعمال واحوال کا مشاہدہ کرتے اور اعمال پر آپ ﷺ کی رضامندی کے شاہد ہوتے۔ انہیں جب کسی آیت کو سمجھنے یا اس کی تفسیر میں یا کسی حکم کو سمجھنے میں کوئی مشکل پیش آتی، تو وہ معاملے کی وضاحت کے لئے احادیث کی طرف ہی رجوع کرتے تھے۔ شروع میں مسلمانوں نے یادداشت اور قوتِ حافظہ پر بھروسہ کیا تاہم جب اسلام پھیلا تو علاقے دور دراز تھے اور صحابہؓ بھی مختلف علاقوں میں پھیل گئے اور بہت سے انتقال کر گئے تو یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ احادیث کو تالیف کر لیا جائے۔

احادیث کی تالیف صحابہ کرامؓ اجمعین کے دور سے ہی شروع ہو گئی تھی۔ مروی ہے کہ ابوہریرہؓ نے فرمایا:((ما من احد من اصحاب النبی ﷺ اکثر حدیثاً منی الا ما کان من عبداللہ بن عمر کان یکتب ولا اکتب)) **"رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں (صحابہؓ) میں سے مجھ سے زیادہ احادیث کسی نے بیان نہیں کیں ماسوائے عبداللہ بن عمرؓ کے، کہ وہ حدیث کو لکھ لیا کرتے تھے، میں نہیں لکھتا تھا" (بخاری)**۔ تاہم ایسے صحابہؓ جو احادیث لکھا کرتے تھے، ان کی تعداد بہت قلیل تھی۔ صحابہ کرامؓ احادیث کے علم پر بہت زیادہ توجہ دیا

کرتے تھے۔ وہ کسی حدیث کو اس وقت تک نہیں لیتے تھے جب تک کہ یہ تسلی نہ کر لیتے کہ یہ رسول اللہ ﷺ سے ہی ہے اور اس معاملے میں وہ بہت زیادہ محتاط تھے۔

عثمانؓ کی شہادت کے بعد فتنے کے پیدا ہو جانے اور سیاسی گروہوں کے ابھر آنے کے بعد، دعوت دینے والے ہر گروہ نے اپنے موقف کی حمایت کے لئے "احادیث" گھڑیں جب وہ اپنے موقف کے حق میں رسول اللہ ﷺ کا کوئی قول نہ پا سکے۔ جب فتنہ نے مسلمانوں کو آگھیرا تو مسلمانوں نے احادیث کی جانچ پرکھ شروع کی تاکہ صحیح احادیث کو جھوٹی بات سے علیٰحدہ کیا جائے۔ انہوں نے اس سلسلے میں انتہائی کوشش کی، احادیث کے راویوں اور ان کی زندگی کی حالات کو جانا۔ اور یہ سب اس حد تک تھا کہ کوئی اور علم ایسا نہیں جیسا کہ اپنے مطالعہ، بحث و تحقیق اور جانچ پڑتال کے اعتبار سے احادیث کا علم ہے۔ حتّٰی کہ انہوں نے احادیث کو باریک بینی سے چھانٹ لیا اور صحیح احادیث کو غلط سے ممتاز کر دیا۔ انہوں نے ایک ایک راوی کی شخصیت کو معلوم کیا یہاں تک کہ پہلی صدی اختتام پذیر ہوئی اور عمر بن عبدالعزیزؒ کا دور آیا جنہوں نے احادیث کو لکھنے کا حکم دیا۔ محمد بن مسلم زُہری وہ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے حکم پر احادیث مرتّب کرنا شروع کیں۔ اور پھر احادیث مرتّب کرنے کا سلسلہ پھیل گیا۔ مکہ میں ابن جریج، مدینہ میں امام مالک، بصرہ میں حماد، کوفہ میں الثوری، شام میں اوزاعی وہ لوگ تھے جنہوں نے احادیث کو جمع کیا، یہاں تک کہ امام بخاری نمایاں ہوئے۔ وہ احادیث کی سائنس میں ممتاز مقام رکھتے تھے اور انہوں نے اپنی کتاب مرتب کی جو صحیح بخاری کے نام سے مشہور ہے اور اس میں انہوں نے وہ احادیث رقم کی ہیں جن کی صحت ان پر واضح تھی۔ اس طریقے میں ان کی پیروی مسلم بن حجاج نے کی جو ان کے شاگرد بھی تھے۔ انہوں نے اپنی کتاب مرتّب کی جو صحیح مسلم کے نام سے مشہور ہے۔

ہفتم: احادیث کے مابین ظاہری اختلاف

یہ معاملہ مسلم علماء کے لیے حل شدہ ہے وہ اسطرح کہ اگر ایک قطعی اور ظنّی نص میں اختلاف ہو تو قطعی کو لیا جاتا ہے اور ظنّی کو مسترد کیا جاتا ہے۔ اس کی مثال فاطمہ بنت قیس سے مروی روایت ہے؛ وہ کہتی ہیں: ((طلقني زوجي ثلاثاً على عهد رسول اللهﷺ فأتيت النبي فلم يجعل لي سكناً ولا نفقه)) " رسول اللہ ﷺ کے دور میں میرے خاوند نے مجھے تین بار طلاق دی، میں رسول اللہ ﷺ کے پاس گئی مگر انہوں نے مجھے نان ونفقہ اور رہائش نہیں دلائی"(مسلم)، یہ حدیث مسترد ہے کیونکہ یہ قرآن مجید کے قطعی حکم سے متضاد ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: **((أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُمْ مِنْ وُجْدِكُمْ))**"عورتوں کو ایامِ عدت میں اپنے مقدور کے مطابق وہیں رکھو"(الطلاق:6)۔ چنانچہ یہ حدیث مسترد کی گئی کیونکہ یہ قرآن مجید کے قطعی معانی سے اختلاف کرتی ہے۔ اور اگر اختلاف عام اور خاص میں ہو، مجمل (اجمالی) اور مبیّن (تفصیلی) میں ہو، یا مطلق اور مقیّد میں ہو تو عموم کی تفصیل خاص سے، مجمل کی مبیّن سے اور مطلق کی مقید سے کی جائے گی اور اسطرح دونوں دلائل استعمال ہوتے ہیں۔ اور اگر دونوں احادیث اس قسم سے نہ ہوں بلکہ ایک دوسرے سے اختلاف میں ہوں تو پھر اس کا تعین کرنا چاہئے کہ کونسی حدیث پہلے دور کی ہے اور کونسی بعد کے دور کی؛ اور اول الذکر کو موخر الذکر سے منسوخ کیا جائے گا۔

کرنل صاحب ! اب ہم ان دو مثالوں کی طرف آتے ہیں جن کا آپ نے حوالہ دیا ہے تاکہ آپ کے غلط نظریے کی وضاحت ہو اور یہ ثابت کریں کہ ان احادیث میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ ان کو جمع کرنا ممکن ہے۔ پس حدیث **:((إذا التقى المسلمان بسيفيهما فالقاتل والمقتول في النار))**"جب دو مسلمان تلوار سے آپس میں جھگڑ پڑیں، تو قاتل اور مقتول، دونوں جہنمی ہیں"(متفق علیہ)، یہ حدیث صحیح ہے لیکن اسکے الفاظ، "دو مسلمان"، "قاتل" اور "مقتول"، عمومی الفاظ ہیں۔ تو یہاں آیت اور احادیث ہیں جو ان کو مخصوص کرتی ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: **((وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنْ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ))**"اور اگر مومنین کے دو

گروہ آپس میں لڑپڑیں تو ان کے درمیان صلح کرادو، پھر اگر ان دونوں میں سے ایک دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے "(الحجرات:9)۔ یہاں اللہ تعالیٰ سرکش گروہ سے لڑنے کا حکم دے رہے ہیں، اور وہ گروہ مومن ہی ہیں جیسا کہ آیت بیان کر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان (سرکش) سے لڑنے کا حکم مومنین کو دیا جب تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ نہ آئیں۔ تو یہاں دو مسلمانوں کا تلواروں سے (آپس میں) ٹکراؤ اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے ہی ہے۔ چنانچہ یہ آیت، حدیث میں بیان کردہ لفظ "قاتل" اور "مقتول" کی تخصیص (specify) کرتی ہے۔ ایک اور حدیث میں یہ بھی مروی ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا؛ **((من قتل دون دمه فهو شهيد ومن قتل دون ما له فهو شهيد ومن قتل دون عرضه فهو شهيد))"جو اپنی جان بچاتے ہوئے مارا گیا وہ شہید ہے، جو اپنی متاع (ملکیت) بچاتے ہوئے مارا گیا وہ شہید ہے اور جو اپنی عزت بچاتے ہوئے مارا گیا وہ شہید ہے "**(ترمذی، ابوداؤد)، یہ حدیثِ مبارکہ بھی زیر بحث قاتل اور مقتول والی حدیث کی تخصیص (وضاحت) کرتی ہے۔ یعنی جب ایک مسلمان اپنی جان، مال اور عزت کے دفاع کے لئے ایک مسلمان سے لڑتا ہے تو وہ جہنمی نہیں ہو گا چاہے وہ قتل کرے یا مارا جائے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا؛**((من جاءكم وأمركم جميع على رجل واحد يريد ان يفرق جماعتكم فاشدخوا رأسه بالسيف كائناً من كان))"**اگر کوئی تمھارے پاس آئے جبکہ تمہارے معاملات ایک امیر تلے متحد ہوں اور وہ آنے والا تمہارے درمیان رخنہ ڈالے تو تلوار سے اس کا سر قلم کر دو چاہے وہ کوئی بھی ہو"(مسلم)، رسولِ اکرم ﷺ نے یہ بھی فرمایا: **((اذا بويع لخليفتين فاقتلوا الآخر منهما))"** اگر بیعت دو خلفاء کو دے دی جائے تو بعد والے کو قتل کر دو"(مسلم)۔ یہ دونوں احادیث، دو مسلمانوں کے تلوار سے جھگڑنے والی مذکورہ بالا حدیث کی تخصیص کرتی ہیں۔ ایسا مسلمان جو اسلامی ریاست کے خلاف بغاوت کرنے والے سے لڑتا ہے، وہ آگ (جہنم) میں نہیں جائے گا چاہے وہ قتل کرے یا خود مارا جائے۔ اسی لئے اس حدیث کا اطلاق، علی بن ابی طالبؓ پر نہیں ہوتا اور علیؓ تو ان صحابہؓ میں سے ہیں جنہیں جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ لہٰذا یہاں احادیث میں کوئی باہمی اختلاف نہیں۔

جہاں تک عائشہؓ والی حدیث کا ذکر ہے اور جو آپ نے اپنے طور پر بیان کی کہ ((أن عائشة ناقصة عقل و دين))"عائشہؓ عقل ودین میں ناقص ہیں"، یہ کوئی حدیث نہیں ہے۔ اور جو حدیث آپ نے کہی، ((خذوا نصف دينكم من فم عائشه))"اپنا آدھا دین تم عائشہؓ کی زبانی لو" یہ بھی ان الفاظ کے ساتھ کوئی روایت نہیں، البتہ جو الفاظ وارد ہوئے ہیں، وہ یہ ہیں: ((خذوا نصف دينكم عن هذه الحميراء)) " اپنا آدھا دین تم حمیرا سے لو"۔ تاہم آدھے دین کا عورت سے لینا، جو دین و عقل میں ناقص ہے، کوئی تضاد والی بات نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دین میں نقص سے مراد یہ ہے کہ عورت اپنے ایامِ حیض اور بچے کی پیدائش کے دنوں میں صوم و صلوٰۃ نہیں کرتی، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے بتایا۔ جہاں تک عقل میں نقص کا تعلق ہے، یہ اس زاویے سے ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے عورت کی گواہی کو مرد کی گواہی سے آدھا رکھا ہے، تاہم یہ امر کسی عورت کو عالمہ بننے سے نہیں روکتا، اس لئے یہ کوئی تضاد نہیں ہے۔

ہشتم: سنت کی اہمیت

اوپر جو کچھ بیان کیا گیا اس سے کوئی بھی شخص یہ سمجھ سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اقوال و اعمال یعنی سنت، اسلام کی بنیادوں میں سے ہے۔ اور سنت ایک شرعی دلیل ہے جس سے عقائد اور احکام اخذ ہوتے ہیں، بالکل اسی طرح جیسے قرآن مجید سے اخذ ہوتے ہیں۔ سنت سے ہی قرآن مجید کی وضاحت، تفصیلات، تشریح و تفسیر ملتی ہے، یہ مجمل کی وضاحت کرتی ہے، عموم کی تخصیص کرتی ہے، مطلق کی حد بندی کرتی ہے اور قرآن مجید کے اصل حکم کی فروعات کے ساتھ مزید فروعات کو جوڑتی ہے۔ مزید یہ کہ سنت سے نئے تشریعی قوانین بھی ملتے ہیں جن کی اصل قرآن مجید میں نہیں۔ قرآنِ مجید کو سمجھنے کے لئے سنتِ مبارکہ پر انحصار کرنا ہی پڑتا ہے۔ مزید برآں عقائد اور شرعی احکام سمجھنے کے لئے بھی سنت پر دارومدار کرنا ضروری ہے چاہے وہ عبادات ہوں، انفرادی رویے یعنی اخلاقیات ہوں، عقوبات ہوں یا معاملات۔ رسول اللہ ﷺ کی سنت سے ہی ہم اسلام کے نظامِ حکمرانی کی حقیقت کو سمجھتے ہیں۔ ہم یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اسلام کا حکمرانی کا نظام، خلافت کا نظام ہے اور خلیفہ بیعت سے ہی نامزد ہوتا ہے۔ سنتِ مبارکہ سے ہی

ہم نظامِ حکمرانی کے ڈھانچے کو سمجھتے ہیں اور اسی طرح ہم نے یہ بھی سمجھا کہ اسلامی ریاست کے دوسری ریاستوں کے ساتھ تعلقات جہاد کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔ ہم یہ بھی جان پاتے ہیں کہ حالتِ جنگ یا امن میں یہ تعلقات کیسے ہوں گے اور یہ کہ دوسری ریاستوں کے ساتھ کس طرح کے معاملات کئے جائیں گے۔ کس طرح کے معاہدات، صلح بندی یا جنگ بندی جائز ہے اور کونسے معاہدات منع ہیں۔ ہمیں یہ آگاہی بھی حاصل ہوتی ہے کہ ہنگامی معاہدات کب جائز ہیں اور کن حالتوں میں منع ہیں۔ سنت سے ہی ہم نے جانا کہ خلیفہ ریاست کے شہریوں پر اسلامی نظام کیسے نافذ کرتا ہے چاہے وہ شہری مسلمان ہوں، ذِمی ہوں یا مستأمن۔ رسول اللہ ﷺ کی سنت سے ہی ہم نے اسلام کے معاشی نظام کی تفصیلات کو سمجھا۔ ملکیت کیا ہے اور اس کی تین اقسام، یعنی عوامی ملکیت، نجی ملکیت اور ریاستی ملکیت۔ اور ہم نے یہ بھی سمجھا کہ ریاست کے مال، محصولات اور اخراجات کیا ہیں۔ اور یہ بھی کہ کرنسی، تبادلے کے اعتبار سے صرف سونا اور چاندی ہی ہو گی۔ سنتِ مبارکہ سے ہی ہم یہ سیکھتے ہیں کہ بنیادی معاشی مسئلہ، بنیادی ضروریات کا پورا کرنا ہے یعنی خوراک، کپڑا اور رہائش۔ اور یہ کہ ریاست یہ بنیادی ضروریات ایسے شہری کو مہیا کرنے کی پابند ہے جو اپنے لئے یہ انتظام نہیں کر سکتا اور نہ ہی وہ شخص کر سکتا ہے جس پر اس کا نفقہ فراہم کرنا لازم ہے۔ سنتِ مبارکہ سے ہی ہمیں معاشرتی نظام کی تفصیلات ملتی ہیں جیسا کہ مرد و عورت کے تعلقات۔ سنت سے ہی ہم نے تعلیمی پالیسی کو جانا۔ مختصر یہ کہ زندگی کی تمام مشکلات خواہ وہ زندگی کے کسی بھی پہلو سے تعلق رکھتی ہوں، کے متعلق احکامات کی تفصیل ہمیں سنتِ مبارکہ سے ہی حاصل ہوتی ہے یعنی رسول اللہ ﷺ کے اقوال، اعمال اور ان کی خاموش رضامندی سے۔ اور یہیں سے کوئی بھی شخص سنت کی اہمیت کا درجہ جان سکتا ہے اور یہ کہ اسلام کا بنیادی ستون ہونے کی حیثیت سے سنت کی پیروی کتنی ضروری ہے، بالکل اسی طرح جیسا کہ قرآن مجید کی پیروی کرنا۔ اور یہ بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ سنت کا ترک کرنا کسی طور بھی جائز نہیں چاہے جو بھی حالات ہوں ہر کسی کو سنت پر اسی طرح مرکوز ہونا چاہئے جس طرح قرآن مجید پر۔

اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے، کرنل! جو آپ نے دورانِ ملاقات کہی کہ آپ سنت کو ترک کرنا چاہتے ہیں اور اپنے آپ کو قرآن تک ہی محدود رکھتے ہیں کیونکہ آپ کو ڈر ہے کہ قرآن مجید کہیں بُھلا نہ دیا جائے یا اس میں

تحریف نہ ہو جائے یا اس میں کوئی ردّوبدل نہ ہو جائے جیسا کہ دوسری الہامی کتابوں میں ہو چکا ہے تو ہم آپ کو یہ کہتے ہیں کہ

اوّل: اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے خود یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ قرآن مجید کی حفاظت کریں گے جب تک دنیا باقی ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ((**اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا له لَحٰفِظُوْنَ**))"اس ذکر (قرآن مجید) کو یقیناً ہم ہی نے اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں" (الحجر: 9)، اگر اللہ تعالیٰ نے خود قرآن کی حفاظت کا وعدہ نہ کیا ہوتا تو یہ آج کے دن تک اس طرح باقی نہ بچا ہوتا حالانکہ کفر و شرک کی تمام طاقتیں اسلام اور مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے یکجا ہو چکی ہیں۔ جس چیز نے قرآن کو ذرّہ برابر تبدیلی اور کسی بھی آمیزش سے محفوظ رکھا ہے وہ کچھ اور نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا حتمی وعدہ ہے کہ وہ اسے محفوظ رکھیں گے۔

دوم: ہم آپ سے یہ بھی کہتے ہیں کہ سنت کا ترک کرنا قرآن کو محفوظ نہ رکھ سکے گا بلکہ خود قرآن اور اسلام کے نقصان کا باعث ہو گا۔ کیونکہ سنت کو ترک کرنا قرآن مجید میں موجود قطعی آیات کو مسترد کرنا ہے جو ہمیں یہ حکم دیتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کو اختیار کرنا لازم ہے چاہے یہ انؐ کے اعمال ہوں یا اقوال۔

نہم: سنت کو ترک کرنے کے نتائج

اپنے آپ کو صرف قرآن تک محدود رکھنے والا اور سنت کو ترک کرنے والا کس حد تک خطرات سے دوچار ہو سکتا ہے اسکا ذکر اوپر بڑے واضح انداز میں ہو چکا ہے، اس پر مزید کہ سنت کا انکار صحابہ کرامؓ پر بھی شک کا اظہار کرنا ہے جن کے ذریعے دین ہم تک پہنچا، اور ان پر شک کا مطلب یقیناً ہر اس شے پر شک کرنا ہے جو ہم تک رسول اللہ ﷺ سے پہنچی۔ یہ نہ صرف سنت پر شک کا باعث ہو سکتا ہے بلکہ خود قرآن مجید پر بھی شک کا باعث ہو سکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ صحابہؓ ہی ہیں جن کے ذریعے قرآن مجید ہم تک پہنچا، اسی لئے یہ شک مکمل اسلام کو ہی شک میں ڈال دے گا اور اسلام میں شک یقینی طور پر اس سے دُوری اور تباہی میں ڈال دے گا۔ اور اس کی انتہا یہ ہے کہ سنت کو ترک کرنا اسلام کے زیادہ تر احکام کو ہی ترک کر دینا ہے کیونکہ اسلام کے احکام کا بہت بڑا حصہ سنت سے ہی لیا گیا ہے۔ چونکہ سنت

قرآن کی وضاحت و تشریح اور تفصیلات کو بیان کرتی ہے اور فروعات کو اصل حکم کے ساتھ جوڑتی ہے اور یہ ایسے نئے احکام بھی بیان کرتی ہے جن کی اصل قرآن میں نہیں، تو یہ اسلام کو ترک کرنا اور اس سے کنارہ کش ہونا ہے۔ پس کوئی بھی یہ اندازہ کر سکتا ہے کہ سنت کے ترک کرنے اور اپنے آپ کو قرآن تک محدود رکھنے کی سوچ کس حد تک خطرناک ہے اور اس بات کا بھی ادراک کر سکتا ہے کہ ترک سنت کی دعوت کھلّم کھلا کفر ہے۔ اس طرح کا خیال پہلے کسی کی طرف سے پیش نہیں کیا گیا ماسوائے ان کے جو اسلام کے دائرے سے باہر ہیں یا اسلام کے دشمنوں میں سے ہیں جو مختلف ذرائع سے اسلام کو تباہ کرنے کے لئے کام کر رہے ہیں۔

ہم کافر ریاستوں میں موجود دشمنانِ اسلام کی شیطانیوں اور خطرے کو بھانپ سکتے ہیں جو ہر زمانے میں مختلف اسالیب کے ساتھ اسلام کے خلاف سازشیں کرتے رہتے ہیں۔ ہم اس کا بھی اندازہ کر سکتے ہیں جو کچھ برطانیہ اور مغربی ریاستوں نے پہلی جنگِ عظیم سے پہلے کیا، جب انہوں نے اسلام کے متعلق شبہات پیدا کئے اور اسلام کو تباہ کرنے کے لئے مسلمانوں کے بھیس میں ایجنٹ اپنے آلہ کار کے طور پر استعمال کئے۔ اے کرنل! یہی انہوں نے مصطفیٰ کمال کے ساتھ کیا، جس کا، مسلمان علماء کے بارے میں مؤقف کا آپ نے حوالہ دیا تھا؛ جبکہ آپ اچھی طرح یہ جانتے ہو کہ اس کا تعلق سلونیکا (Salonika) کے علاقے دونمہ (Donma) کے یہودی گھرانے سے تھا، برطانیہ نے اسے مسلمانوں کے خلاف تیار کیا تھا۔ یہ یہودیوں کا ایک گروہ ہے جو دکھاوا کرتا ہے کہ وہ مسلمان ہو گئے ہیں اور یہ خلافت کو تباہ کر کے اسلام کو تباہ کرنے کے لیے سرگرم تھے۔ اور برطانیہ نے اس کو نجات دہندہ بہادر شخص کی شکل میں نمایاں کرنے کے لیے حالات بنائے تاکہ اس کے ذریعے اس کے لیے اقتدار تک پہنچنا ممکن ہو جائے، تاکہ وہ خلافت کو ختم کر دے۔ مصطفیٰ کمال کو اقتدار میں لانا وہ معاوضہ تھا جو انگریزوں نے اسے دیا اور اس کے بدلے میں مصطفیٰ کمال نے خلافت کا خاتمہ اور ترکی سے اسلامی قوانین کا خاتمہ کیا اور ان کی جگہ مغربی نظام اور قوانین نافذ کیے۔ مزید یہ کہ انہوں نے ترکوں کو اپنے عرب بھائیوں سے کسی بھی قسم کے تعلق سے دور رکھنے کے لئے عربی رسم الخط کو لاطینی رسم الخط سے تبدیل کر دیا۔ اس لئے یہ بات بالکل عیاں ہے کہ مغربی ریاستیں اسلام کی بدترین دشمن ہیں۔ یہی ہیں جو اُن ایجنٹوں کے لئے کردار ترتیب دے رہی ہیں جنہیں وہ مسلمانوں کے بیٹوں میں سے تیار کر رہی ہیں تاکہ انہیں اسلام پر حملہ آور ہونے کے لئے آلہ کار کے طور پر استعمال کیا جائے۔

آج، جبکہ مغربی کافر کی طرف سے پیش کردہ تمام تصورات وخیالات جیسے کہ قومیت، حب الوطنی، سرمایہ داریت، سوشلزم اور کمیونزم اپنا اعتماد کھو چکے ہیں تو مسلمان پھر سے اسلام کی آگاہی حاصل کرنا شروع کر چکے ہیں۔ وہ اپنی طرف پیش کی گئی سیاسی جماعتوں اور ٹولوں پہ سارا اعتبار کھو چکے ہیں چاہے وہ بعث پارٹی ہو یا عرب قوم پرست، کمیونسٹ ہوں یا سوشلسٹ یا نصیری پارٹی۔ مغربی ریاستوں نے مختلف قسم کے ہتھکنڈے استعمال کرنے شروع کر دیے تاکہ اسلام سے لوگوں کی جذباتی وابستگی کو زائل کیا جاسکے اور اس ڈر سے کہ کہیں یہ جذبات، زندگی کی حقیقتوں میں اسلام اور خلافت کی واپسی کی طرف نہ لے جائیں کیونکہ جب اسلام اور خلافت زندگی کی حقیقت میں واپس آئیں گے تو مغربی تصورات، مفادات اور حتٰی کہ خود مغرب کے وجود کو بھی خطرہ لاحق ہو جائے گا۔ انہیں یاد ہے کہ کس طرح اندلس میں 800 سال اور مشرقی یورپ میں 400 سال تک مسلمان، لا الٰہ الّا اللہ محمد رسول اللہ، کے جھنڈے سے مضبوطی سے چمٹے رہے۔ انہیں اس کا بھی اندازہ ہے کہ زندگی کے معاملات میں اسلام کی واپسی اور خلافت کے دوبارا قیام کے بعد ریاستِ خلافت، امریکہ، روس اور مغربی ریاستوں کے اقدامات کو چیلنج کرے گی اور عالمی سیاست میں ان سے پہلے پیشگی اقدامات اٹھائے گی۔ اس طرح خلافت دنیا کی صفِ اول کی ریاست کے طور پر سامنے واپس آئے گی جیسا کہ وہ ماضی میں تھی تب سے جب اس نے روم اور فارس کو شکست دی حتٰی کہ اٹھارویں صدی کے اواخر اور انیسویں صدی کے اوائل تک، ماسوائے اس تھوڑے عرصے کے لیے جب تاتاری اور صلیبی حملہ آور تھے۔

دہم: اسلام اور سیاست

کرنل! آپ نے گفتگو میں کہا کہ دین سیاست سے مختلف ہے کیونکہ سیاست جھوٹ، منافقت، دھوکہ دہی، دوغلاپن، مکروفریب اور مکار حربوں پر مشتمل ہے گویا آپ یہ کہنا چاہتے ہو کہ اسلام کا سیاست سے کیا کام!

ہم آپ سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ سیاست ریاستی شہریوں کے معاملات کی اندرونی دیکھ بھال کرنا ہے، اس نظام کے ذریعے جسے ریاست میں دیکھ بھال کے لیے اپنایا جاتا ہے، جبکہ خارجی سطح پر یہ قوم یا اہلِ اقتدار کے اپنائے ہوئے

نظریہ کے مطابق امور کی دیکھ بھال ہے۔ جھوٹ، مکروفریب اور دھوکہ دہی سیاست نہیں ہوتی بلکہ سیاست توان افکار کے ذریعے، جو آپ رکھتے ہو اور وہ نظام جو آپ اختیار کرتے ہو، لوگوں کے معاملات کی دیکھ بھال کا نام ہے۔ جھوٹ، مکروفریب، منافقت، دھوکہ دہی، غداری اور چالاک حربے توان سیاستدانوں کا کام ہے جو اپنی پالیسیوں کو سرانجام دینے کے لئے مغربی تہذیب اپناتے ہیں یا سوشلسٹ و کمیونسٹ نظریۂ حیات رکھتے ہیں۔ یعنی اپنے اس نظریۂ حیات کے ذریعے لوگوں کے امور کو دیکھنا، جو وہ اپناتے ہیں اور جس پر وہ قائم ہیں۔ البتہ جو کچھ وہ کرتے ہیں اسے لوگوں کے امور کی دیکھ بھال ہر گز نہیں گردانا جا سکتا۔ مغربی تہذیب اور سوشلسٹ و کمیونسٹ کو ایسے حربے اور ہتھکنڈے استعمال کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں ہوتی کیونکہ وہ معاملات چلانے کے لئے انہیں ناگزیر سمجھتے ہیں۔

اے کرنل! اسلام ان باتوں سے یکسر مختلف ہے، یہ ایک زندگی کے امور کی دیکھ بھال کے لیے مکمل نظام ہے۔ یہ ایک ایسے سیاسی عقیدہ پر قائم ہے جو ایک فکری قیادت اور فکری بنیاد ہے جس پر مزید افکار کی عمارت استوار ہوتی ہے۔ امور چلانے کے لئے نظام اور احکام اسی عقیدہ سے پھوٹتے ہیں۔ اسلام فرض قرار دیتا ہے کہ اس کا طریقہ وہی ہو جو اس کی فکر ہے۔ چنانچہ اسلام کا طریقہ ان شرعی احکام پر مشتمل ہے جنہیں کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ سے اخذ کیا گیا ہے۔ اسی لئے اسلام میں سیاست یہ ہے کہ اسلام کے نظام کے مکمل نفاذ کے ذریعے داخلی طور ریاستی شہریوں کی دیکھ بھال کی جائے اور خارجی طور پر اسلام کی دعوت (پیغام) کو بذریعہ جہاد تمام دنیا تک پہنچایا جائے۔ اسلام میں ریاست کے خارجہ تعلقات جہاد پر اور جس کا جہاد تقاضا کرتا ہے، اس پر استوار ہوتے ہیں۔ اسی لئے تمام تعلقات، سمجھوتے، جنگ بندی اور معاہدات صرف جہاد کی ضرورت کے تحت ہی ہوتے ہیں اور یہ کتاب وسنت سے اخذ کردہ اسلامی احکام کے عین مطابق ہوتے ہیں۔ یوں تمام اندرونی وبیرونی معاملات، کتاب وسنت سے اخذ کردہ حکمِ شرعی کے مطابق ہی ہوتے ہیں۔ مزید برآں، اسلامی تہذیب اس بات سے منع کرتی ہے کہ جھوٹ، مکروفریب، منافقت، دھوکہ دہی یا میکاویلی حربے اپنائے جائیں کیونکہ یہ سب اسلام سے متصادم ہیں۔ تاہم اسلام ہوشیاری یا سمجھداری سے کام لینے سے منع نہیں کرتا، پس مقاصد وعزائم کو چھپاتے ہوئے اسالیب کو افشا کرنے کی اجازت ہے۔

یہ کسی کے دماغ میں نہیں ہونا چاہئے کہ عصرِ حاضر کی دنیا میں اسلام کو نافذ کرنا ممکن نہیں ہے، اس انداز سے کہ سیاست کے تمام معاملات یعنی داخلی اور خارجی طور پر تمام امور کی دیکھ بھال، چاہے وہ چھوٹے ہوں یا بڑے، میں کتاب وسنت سے اخذ کردہ احکام پر عمل پیرا ہوا جائے۔ یہ ایک فضول بات ہے اور حقیقت کی عکاسی نہیں کرتی۔

پس ہم دیکھتے ہیں کہ عمر بن خطابؓ، جو کسی قبیلہ کے سردار یا شہر کے حاکم یا دنیا سے دُور کسی خانقاہ کے راہب نہ تھے، بلکہ وہ ایک خلیفہ تھے، دو عظیم طاقتوں، فارس اور روم، کے انہدام کے بعد دنیا کی سب سے بڑی ریاست کے حاکم تھے۔ انہوں نے ان دونوں سے طاقت کی کمان چھین لی حتّٰی کہ اسلامی ریاست اپنے دَور کی دنیا کی اول درجے کی ریاست بن گئی۔ کیا انہوں نے اس عظیم ریاست کی حکمرانی کسی نظام کے بغیر کرلی یا انہوں نے حکمرانی کے لیے روم وفارس کے نظاموں کو نافذ کیا؟ کوئی بھی یہ دعٰوی نہیں کرتا، بھلے وہ دوست ہو یا دشمن، مسلمان ہو یا کافر۔ ہر کوئی یہ تسلیم کرتا ہے کہ امیر المومنین عمر بن خطابؓ نے کس طرح اس وسیع وعریض ریاست کی حکمرانی اسلام اور صرف اسلام سے ہی کی اور ہر چھوٹے یا بڑے معاملے میں اسلام کی کلیات اور جزئیات پر عمل کیا، جبکہ اس دور میں نقل وحمل کا ذریعہ اونٹ تھے یا پھر پیدل سفر کرنا؛ وہ اس قدر ذمہ داری کا بوجھ محسوس کرتے تھے کہ اللہ عزوجل سے مسلسل ڈرتے رہتے حتّٰی کہ انہوں نے کہا **"اللہ کی قسم! اگر فرات کے کنارے پر ایک بھیڑ کو بھی ٹھوکر لگے تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ تعالٰی مجھ سے اس کے بارے میں پوچھیں گے"** کیا عمرؓ نے سیاست، یعنی داخلی وخارجی طور پر لوگوں کے امور کی دیکھ بھال، کے نفاذ کے لئے جھوٹ، مکر وفریب، غداری، دھوکہ دہی یا اوچھے میکاویلی ہتھکنڈے اپنائے؟؟

خدانخواستہ نہیں اور ایک ہزار مرتبہ نہیں؛ ہر کوئی یہ تسلیم کرتا ہے کہ عمرؓ اکیلے میں بھی اور لوگوں کے درمیان بھی اللہ سبحانہ تعالٰی سے کتنا ڈرتے تھے اور اللہ کے احکامات اور ممنوعات پر کتنا سختی سے عمل کرتے تھے۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اسلام کے احکامات کے نفاذ کی مکمل پابندی اور التزام نے انہیں روک کر رکھا کہ وہ حکمرانی کے معاملات ادا نہ کرسکیں یا لوگوں کے امور کی دیکھ بھال اور اسلام کی دعوت کو بذریعہ جہاد دنیا تک نہ پہنچا سکیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ انہوں نے طاقت کی کمانیں روم وفارس سے چھین لیں اور اسلامی ریاست کو دنیا کی اول درجہ کی ریاست بنادیا اور یہ ثبوت کسی بھی غلط دعٰوی کو چیلنج کرنے کے لئے کافی ہے۔ ایسے کسی نقطۂ نظر کو تار تار کرنے کے لئے کسرٰی کے ایلچی

کا وہ ردِ عمل ہی کافی ہے کہ جب وہ مدینہ آیا اور اس نے عمرؓ کو درخت کے سائے تلے بغیر کسی سپاہی یا محافظ کے بغیر دیکھا تو حیران رہ گیا؛ یہ غیر روایتی انداز کا نظارہ دیکھ کر اس نے اپنے مشہور الفاظ کہے، **"اے عمرؓ! تم نے حکمرانی کی اور تم نے عدل کے ساتھ حکمرانی کی، اسی لئے تم اپنے آپ کو محفوظ محسوس کرتے ہو اور یوں ایسے سوئے ہوئے ہو"۔**

یہی وہ ریاست ہے جو ہم چاہتے ہیں اور یہی خلافت ہوتی ہے جو ہم قائم کرنا چاہتے ہیں، یہی وہ پالیسی ہوتی ہے جس کی ہم پیروی چاہتے ہیں اور یہی وہ نظام ہے جو ہم نافذ کرنا چاہتے ہیں۔

اے کرنل! اور آخر میں اس سب سے آپ یہ دیکھ سکتے ہیں کہ مسلمانوں کا بنیادی مسئلہ اسلام ہے اور یہ مسلمانوں کے لیے بنیادی اہم مسئلہ ہے ۔ اسلام کی زندگی کی حقیقتوں میں واپسی اور خلافت کی واپسی کے بغیر ان کمزور ڈھانچوں کا خاتمہ ممکن نہیں۔ اسرائیل کا خاتمہ ہمارے ہاتھوں ممکن نہیں ہو سکتا سوائے اس کے ہم مسلمان خلافت نہ قائم کر لیں اور کتاب و سنت کو مکمل طور پر زندگی میں واپس نہ لے آئیں ۔ آپ اچھی طرح سے یہ بھی جانتے ہیں کہ اسلامی دنیا میں موجود ڈھانچوں نے مغربی کفار کے پلان کے مطابق اسرائیل کو قائم کرنے اور اسے مضبوط کرنے کے لئے کام کیا اور اسرائیل سے امن کی بھیک مانگتے ہوئے اپنے آپ کو مغرب کے پاؤوں میں گرالیا تاکہ فلسطین کی سرزمین کا بہت سا علاقہ اسے دے دیا جائے اور اسے ہمیشہ کے لئے ریاست مان لیا جائے۔ یہ ڈھانچے یا فلسطینی تنظیمی اسرائیل کو تباہ نہیں کر سکتے کیونکہ اسرائیل ایک سیاسی وجود ہے اور یہ ایک ایسے مخلص ریاستی وجود کے قیام کے علاوہ ختم نہیں ہو سکتا کہ جو اسرائیل کے خلاف جہاد کا اعلان کرے۔ بخاری اور مسلم کی صحیح احادیث کے مطابق یہ کوئی اور نہیں ہو گا بلکہ ایک اسلامی دھانچہ ہو گا جو یہ کام سرانجام دے گا، اور اسرائیل مسلمانوں کے ہاتھوں ہی تباہ ہو گا نہ کہ قومیت پرستوں، سوشلسٹ یا کمیونسٹ، بعث یا نُصَیریوں کے ذریعے۔ کیونکہ حدیث یہ بیان کرتی ہے، جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے؛ **((لا تقوم الساعة حتئ يقاتل المسلمون اليهود، فيقتلهم المسلمون، حتى يختبى اليهودى من وراء الشجر او الحجر فيقول الشجروالحجر: يا مسلم يا عبدالله هذا يهودى خلفى فتعال فاقتله، إلا الغرقد، فإنه من شجر اليهود))** **"قیامت تب تک نہ آئے گی جب تک مسلمان یہودیوں سے نہ لڑلیں، اور مسلمان ان کو قتل کریں گے، اور یہودی درخت یا پتھر کے پیچھے جا چھپیں گے، درخت یا پتھر بولے گا، اے مسلمان! اے**

عبداللہ! میرے پیچھے ایک یہودی چھپا بیٹھا ہے، آؤ اور اسے قتل کرو، سوائے غرقد کے درخت کے، کیونکہ وہ یہودیوں کا درخت ہے"۔ یہ حدیث بالکل واضح ہے کہ یہ ایک مسلمان کو پکار ہے، "اے مسلمان! اے عبداللہ! میرے پیچھے ایک یہودی چھپا بیٹھا ہے، آؤ اور اسے قتل کرو"، یہ بھی بالکل واضح ہے کہ وہ جو یہودیوں کو قتل کریں گے، وہ مسلمان ہوں گے۔

اس لئے زندگی میں اسلام کو واپس لانا اور خلافت کے قیام کے ذریعے اسلام کے پیغام کو دنیا تک پہنچانا بنیادی کام ہے اور یہی مسلمانوں کا بنیادی اہم مسئلہ ہے۔

اپنے اعلامیہ کے اختتام سے پہلے ہم آپ سے یہ کہنا چاہیں گے کہ اے کرنل! اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ آپ کا کردار آپ کے لیے طے کر دیا گیا ہے مگر آپ کے پاس ابھی بھی وقت ہے، ہم جانتے ہیں کہ ہر انسان میں یہ استطاعت ہوتی ہے کہ جب اس پر غلطی عیاں ہو جائے اور اسے معاملے کی باریکی کا پتہ لگ جائے تو وہ اپنے آپ کو درست کر لے۔ لہٰذا اپنی عزت و تکریم کے جھوٹے تاثر کو اپنے اوپر حاوی نہ ہونے دیں بلکہ اپنے خلوص کو بحال کریں اور اپنے اُس کردار کو ترک کر دیں جو آپ کو سونپا گیا ہے، جو کہ سنگین اور خطرناک ہے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کے نازل کردہ کے علاوہ کسی اور کے ذریعے حکمرانی پر قائم رہنا فسق (سرکشی) یا کفر ہے۔

اسی لئے ہم آپ کو نصیحت کرتے ہیں کہ اپنی پکار کو ترک کر دیں، وہ منصوبہ چھوڑ دیں جو آپ کے لئے ترتیب دیا گیا ہے اور اپنی "گرین بک" (Green Book) سے دستبردار ہو جائیں۔ ہم آپ سے یہ بھی کہتے ہیں کہ اقتدار ہمارے حوالے کریں تاکہ خلافت کے قیام کا اعلان کیا جائے اور ایک خلیفہ کا تقرر ہو سکے جسے ہم اللہ کی کتاب اور سنتِ رسول ﷺ کی اطاعت کی بیعت دیں۔

پھر ہم ان تمام کمزور ڈھانچوں کو ختم کرنے کی جانب بڑھیں گے تاکہ وہ خلافت کا حصہ بنیں، اسرائیل کو اکھاڑ پھینکنے کے لئے اس کے خلاف جہاد کا اعلان کریں گے اور امریکہ و روس سے حالات کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لینے کے لئے کام کریں گے تاکہ خلافت پھر سے دنیا کی صفِ اول کی ریاست بن سکے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

((يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ))

"اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسولؐ کی پکار پر جب وہ تمہیں ایسے کام کی طرف بلائیں جس میں تمہارے لئے زندگی ہے" (الانفال:24)

حزب التحریر

7 شوال 1398ھ،

9 ستمبر 1978ء